عہد رسالتؐ میں
اسلامی ریاست کے بنیادی ادارے

سید معروف شاہ شیرازی

دنیا کے اکثر ممالک کے تحریری دساتیر میں ریاست کے بنیادی اداروں اور ان کے حدود کا تعین، متعلقہ ملک نے اپنے رسم و رواج اور اپنی ضروریات اور حالات کے مطابق کیا ہے۔ اسلام کے دستوری نظام کے بارے میں بھی اب کافی لٹریچر سامنے آ چکا ہے۔ تاہم اس لٹریچر میں جدید ریاست کے بنیادی اداروں، انتظامیہ (executive)، مقننہ (legislature) اور عدلیہ (judiciary) کے نقطہ نظر سے عہد نبویؐ کا مطالعہ نہیں کیا گیا۔ ہمارے فقہا خصوصاً امام ابو حنیفہؒ نے جس انداز سے اجتہاد کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے شریعت کے احکام کے تعین اور مسائل کے استنباط میں ان بنیادی اداروں کی حدود و قیود کا لحاظ رکھا، جبکہ دوسرے ائمہ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے ذہنوں میں اسلامی ریاست کی یہ سہ اداراتی حیثیت واضح نہ تھی۔ اس لیے ان دوسرے ائمہ نے بعض مسائل میں قرآن و سنت کی اس تعبیر سے الگ مسلک اختیار کیا ہے جو امام ابو حنیفہؒ نے اختیار کیا۔

امام ابو حنیفہؒ کے بعد فقہائے اسلام نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے تصرفات اور احکامات کا ریاست کے بنیادی اداروں کے زاویے سے مفصل جائزہ لیا ہے اور واضح طور پر متعین کیا ہے کہ بعض تصرفات کا تعلق حضورؐ کے ایک انتظامی سربراہ کی حیثیت سے تھا، بعض کا تعلق قاضی القضاۃ کی حیثیت سے تھا اور بعض بحیثیت شارع اور مقنن تھے۔ اگرچہ حضورؐ کے تمام افعال وحی پر مبنی تھے۔

ان علما نے تصریح کی ہے کہ جن آیات و نصوص کا تعلق شرعی قانون سازی اور شرعی فتویٰ سے تھا، وہ عام ہدایات ہیں۔ ان کا اتباع اور ان کی تعلیم عام انسانوں پر تاقیامت لازم ہے چاہے وہ حاکم ہوں یا محکوم، جج ہوں یا فریقین مقدمہ۔ ان احکام کا تعلق آپؐ کے منصب رسالتؐ سے ہے۔ جو احکام اور ہدایات آپؐ نے بحیثیت انتظامی سربراہ کے دیں، ان کا تعلق مسلمانوں کے ریاستی سربراہ سے ہو گا اور جو فیصلے آپؐ نے بحیثیت جج فرمائے، ان کا اتباع اسلامی ریاست کے قاضی کریں گے۔ عام مسلمان حضورؐ کی پیروی کرنے کے

بہانے ان امور کو ہاتھ میں نہیں لے سکتے، مثلاً وہ خود عدالت لگا کر کسی کو سزائے موت دے دیں، یہ جائز نہ ہو گا۔

علما نے واضح طور پر تحریر کیا ہے کہ رسول کریمؐ بیک وقت شارع اور مقنن، انتظامی سربراہ اور افواج کے سپہ سالار، اور ایک جج اور قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے۔ ان مناصب پر بیک وقت ایک نبی ہی فائز ہو سکتا ہے اور نبیوں میں سے بھی صرف وہ انبیا جو اولوالعزم من الرسل ہوں۔ اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ نبیؐ کی پوری سیرت اور قرآن و سنت کے پورے ریکارڈ کا اس زاویے سے جائزہ لیا جائے۔

میرے علم کی حد تک اس زاویے سے حضور اکرمؐ کی سیرت کا مفصل اور واضح جائزہ سب سے پہلے امام شہاب الدین قرافی (متوفی ۶۸۴ھ) نے اپنی مشہور کتاب الفروق میں لیا ہے۔ اس کی مزید توضیح و تشریح علامہ ابن شاط (۶۴۳ھ-۷۲۳ھ) نے کی اور ان تمام مباحث کو علامہ محمد علی نے مزید مرتب اور منقح کیا۔

علامہ قرافیؒ لکھتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم سربراہ مملکت، ایک عظیم سپریم جج اور ایک ایسے مفتی تھے جو سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ آپؐ شہنشاہ عالم، قاضی القضاۃ، اور سب علما اور ماہرین شریعت سے زیادہ عالم تھے۔ اللہ نے آپؐ کے منصب رسالتؐ میں سب کے سب امور جمع کر دیے تھے۔ جو لوگ کبھی بھی ان مناصب پر فائز ہوئے، ان میں آپؐ عظیم تر تھے اور یہ ریکارڈ قیامت تک ایسا ہی رہے گا۔

ان تمام حیثیتوں میں آپؐ کی غالب حیثیت رسول، مبلغ، شارع اور قانون ساز کی تھی۔ آپؐ کے اقوال و تصرفات میں سے بعض کے بارے میں علما کا اتفاق ہے کہ ان کا تعلق تبلیغ رسالت اور فتویٰ شریعت سے تھا۔ بعض احکام اور تصرفات کے بارے میں اجماع ہے کہ ان کا تعلق امامت (executive) سے تھا اور بعض کے بارے میں اتفاق ہے کہ ان کا تعلق قضا (judiciary) سے تھا اور بعض کے بارے میں علما کے درمیان اختلاف ہے، کوئی کسی تصرف کو عدلیہ کا تصرف قرار دیتا ہے، کوئی انتظامیہ کا اور کوئی دونوں کا۔ بعض لوگ ایک حیثیت کو غالب قرار دیتے ہیں اور بعض دوسری کو۔

حضورؐ کے ان تصرفات کو مختلف زاویے سے دیکھنے کی وجہ سے ان کے آثار بھی مختلف برآمد ہوئے ہیں اور فقہا کے درمیان احکام کے تعین میں اختلاف ہوا ہے کیونکہ آپؐ نے جو ہدایات دیں یا جو کام بطور تبلیغ کیے، ان کی پیروی عام لوگوں پر تاقیامت لازم ہے۔ اگر کوئی قول یا فعل کسی بات کا حکم دیتا ہے تو اس بات پر عمل ضروری ہو گا اور ہر کوئی اس پر ازخود عمل کرے گا۔ مباحات اسی درجے میں آتے ہیں۔ اگر آپؐ کے قول و فعل سے کسی بات کی نہی ثابت ہوتی ہے تو ہر شخص ازخود اس سے رکے گا۔

اگر کوئی فعل یا حکم حضورؐ نے بطور امامت سرانجام دیا ہے تو کسی عام مسلمان کے لیے اس پر، امام وقت کی اجازت کے بغیر، عمل جائز نہ ہو گا اور اس طرح سے آپؐ کی سنت کی پیروی ہو گی۔ اس لیے کہ حضورؐ نے بھی یہ حکم بطور امام دیا تھا، یہ عوام کے لیے تبلیغ شریعت نہ تھی۔

اسی طرح آپؐ نے قاضی کی حیثیت سے جو کام کیے' ان پر عمل بھی قاضی وقت کے فیصلے کے مطابق ہو گا۔ کوئی شخص ازخود اس کو ہاتھ میں نہ لے گا کیونکہ وہ کام حضورؐ نے بحیثیت قاضی کیا تھا۔ لہٰذا اب قاضی ہی کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس طرح کے فیصلے کرے"۔ (الفروق القرافی' ج ۱' ص ۲۰۶ طبع بیروت)

علامہ القرافیؒ کے شارح' ابن شاط اس کی تشریح نہایت اختصار اور خوب صورتی سے کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہا کے ذہنوں میں ریاست کا "سہ ادارتی" نظام بالکل واضح تھا۔ جس کے مطابق رسول اللہؐ عدلیہ کے سربراہ بھی تھے اور انتظامیہ کے بھی' اور شارع و مقنن بھی تھے۔ علامہ ابن شاط لکھتے ہیں: "میں کہتا ہوں علامہ قرافیؒ نے ان مسائل کو اچھی طرح واضح نہیں کیا' اگر یوں کہا جائے تو بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے: احکام شریعت میں تصرف یا تو یوں ہو گا کہ شریعت کو متعارف کرایا جائے یا اس تصرف کا شریعت کے نفاذ سے تعلق ہو گا۔ اگر اس کا تعلق شریعت کو متعارف کرانے سے ہو تو یہ تبلیغ سے متعلق ہے اور یہ مبلغ اگر اللہ کی طرف سے ہے تو یہ رسول ہے' اور اگر اللہ کی طرف سے نہیں ہے تو مفتی ہے' اور اس کا تصرف فتویٰ ہے۔ اگر اس تصرف کا تعلق نفاذ سے ہو اور یہ نفاذ بذریعہ عدالتی فیصلہ' حکم اور ڈگری کے ہو تو یہ عدلیہ کا تصرف ہے۔ اس قسم کا متصرف قاضی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ تصرف انتظامی ہے اور یہ امام وقت کا استحقاق (prerogative) ہے۔ (الفروق قرافی' ج ۱' ص ۲۰۶-۲۰۷)

فقہائے کرام نے جب اس زاویے سے قرآن و سنت کے احکام کا جائزہ لیا تو ان کے درمیان اس اصول کے مطابق' نصوص کی تشریح کرتے ہوئے اختلاف ہوا۔ اس اختلاف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سبب یہی ریاست کا سہ ادارتی نظام ہے۔

حضور اکرمؐ کی حدیث ہے: من احیا ارضا میتة فھی لہ "جس نے ایک مردہ اور غیر آباد زمین کو زندہ کیا' یہ اس کی ہو گی"۔ علما نے اس حدیث پر غور کیا کہ آیا اس کا تعلق حضورؐ کی مبلغ احکام اور شارع کی حیثیت سے ہے کہ آپؐ نے یہ دائمی قانون بنا دیا' اب جو شخص چاہے جہاں چاہے مردہ زمین پر قبضہ کرے' اسے آباد کرے اور مالک بن جائے' اس سلسلے میں اسے امام وقت یا حکومت سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مسلک امام شافعیؒ کا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ زمین شہروں کے قریب ہے تو امام سے اجازت لے کر استعمال کرے گا اور اگر دور ہے تو بغیر اجازت کے بھی آباد کر سکتا ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے یہ حکم بطور امام اور سربراہ مملکت دیا ہے۔ لہٰذا آئندہ جو بھی مردہ زمین کو آباد کرے' امام کی اجازت سے کرے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ الاٹمنٹ یا لیز ایک انتظامی کام ہے اور یہ امام کی اجازت سے ہو سکتا ہے۔ جس طرح امام قرافیؒ نے بعض متفقہ علیہ مسائل کی تصریح کی ہے' مثلاً اعلان جنگ' لشکر کشی' باغیوں' مثلاً خوارج وغیرہ کی سرکوبی' بیت المال کی رقومات کو ان کی مدات پر صرف کرنا' قاضی اور گورنر کا تقرر' بجٹ کی تقسیم' کفار اور اہل ذمہ کے ساتھ معاہدات' معاہدات صلح' یہ سب کام

بالاتفاق انتظامی امور ہیں۔ پہلے یہ اختیارات حضورؐ کو حاصل تھے اور اس حیثیت سے آپؐ نے یہ تصرفات کیے۔ (الفروق قرافی، ج ۱، ص ۲۰۷)

امام قرافیؒ چونکہ مالکی المذہب تھے اس لیے انھوں نے مذکورہ بالا حدیث: من احیا ارضا میتۃ فھی لہ، میں امام مالکؒ کے مذہب کو ترجیح دی ہے۔ لیکن دیکھا جا سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک نہایت ہی مفید ہے، ورنہ اس حکم پر بغیر اجازت امام کے عمل کرنے سے ایک فساد برپا ہو سکتا ہے۔ امام مالکؒ نے بھی شہروں کے قریب اراضی کو اجازت سے اسی لیے مشروط کیا ہے کہ فساد برپا نہ ہو۔

ریاست کے سہ لوازتی پہلوؤں کی دوسری مثال امام قرافیؒ نے ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہؓ بنت عتبہ کے واقعے سے دی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: "ابوسفیانؓ کی بیوی ہندہؓ بنت عتبہ رسولؐ اللہ کے پاس آئی۔ اس نے کہا اے رسولؐ خدا! ابوسفیانؓ ایک کنجوس آدمی ہے، وہ مجھے اس قدر خرچہ نہیں دیتا جو میرے اور میرے بیٹوں کے لیے کافی ہو، ماسوائے اس کے کہ میں اس کے مال سے اس کے علم کے بغیر لوں، تو کیا اس میں مجھ پر کوئی گناہ ہو گا؟ آپؐ نے فرمایا: اس کے مال سے اپنی اور اپنے بیٹوں کی ضرورت کے مطابق معروف طریقے سے لو"۔ (بخاری، مسلم)

اس حدیث کے بارے میں فقہائے اسلام کے درمیان اختلاف ہوا ہے کہ آیا یہ حضورؐ کا شرعی فتویٰ ہے اور مستقل قانون سازی ہے کہ جس شخص کا کوئی حق دوسرے کے ذمے ہو اسے لے لے، بغیر اس کے کہ اس پر کوئی دعویٰ کرے، مثلاً زید کی کوئی چیز عمر نے چرائی ہو یا غصب کی ہو یا اس کے پاس امانت ہو اور وہ منکر ہو گیا ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس چیز کو چوری، غصب یا کسی حیلے سے قبضے میں لے لے۔ یوں یہ حدیث ایک عدالتی فیصلہ ہے، اور جس شخص کا کوئی حق دوسرے کے پاس ہو، اس کے لیے لازم ہے کہ وہ پہلے عدالت میں جائے، اسے ثابت کرے اور عدالت کے فیصلے کے تحت اسے حاصل کرے۔ یا حضورؐ نے بطور حاکم وقت ایک شخص کو اجازت دی کہ وہ ایسا کر سکتا ہے۔ امام شافعیؒ اس طرف گئے ہیں کہ یہ ایک شرعی قانون ہے، جس کے مطابق حضورؐ نے ہندہؓ کو فتویٰ دیا تھا کہ وہ ابوسفیانؓ کے مال سے بقدر کفاف لے، اس کے علم کے بغیر۔ ان کے نزدیک، جو شخص اپنا حق جس کسی کے پاس جہاں پائے، اسے لے لے۔ امام شافعیؒ کی یہ رائے امن و امان کے زاویے سے اچھی نہیں ہے، اس طرح معاشرے میں فساد برپا ہو سکتا ہے۔

امام مالکؒ نے اسے ایک جج کا فیصلہ قرار دیا ہے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر یہ عدالتی کارروائی تھی تو اس میں مدعا علیہ حاضر نہ تھا، جبکہ روایات میں آتا ہے کہ ابوسفیانؓ اس وقت مدینہ میں موجود تھے، اور یک طرفہ ڈگری صرف اس شخص کے خلاف صادر کی جا سکتی ہے جو شہر سے باہر ہو یا جس کا کوئی اتا پتا نہ ہو۔

امام ابو حنیفہؒ پہلے اس کے قائل تھے کہ یہ حضورؐ کی طرف سے فتویٰ ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ

وہاں مدعا علیہ حاضر ہو' لیکن ان کا آخری قول یہ ہے کہ مدعا علیہ کے بغیر قاضی کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا۔ لہٰذا ابوسفیانؓ کے خلاف حضورؐ کا حکم ایک انتظامی حکم ہو گا: "یہ ہندہؓ کی امداد تھی یعنی کوئی عدالتی فیصلہ نہ تھا' یہ کہ آپؐ نے بطور حاکم ان کی مدد فرمائی۔ نہ یہ دائمی قانون ہے کہ کوئی اپنا حق جہاں دیکھے فوراً قبضہ کر لے' نہ یہ عدالتی فیصلہ ہے' جس میں فریق دوئم موجود نہیں ہے۔ بلکہ محض وقتی اعانت ہے"۔ (بدائع الصنائع' الکاسانی' ج ۲' ص ۴۴)

امام ابوحنیفہؒ کی رائے نہایت حکیمانہ ہے۔ حضورؐ کے فیصلے کو ایک دائمی ضابطہ شریعت بھی نہیں کہا جا سکتا کہ لوگ اپنے زور سے اپنے حق کو جب چاہیں لے لیں۔ اسے ایک عدالتی فیصلہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہاں مدعا علیہ موجود نہیں ہے۔ اگر اس حکم کو انتظامی قرار دیا جائے تو اس سے وہ خرابی بھی پیدا نہیں ہوتی جو امام شافعیؒ کی رائے کے مطابق ہوتی ہے کہ امن و امان ختم ہو جائے' اور اگر عدالتی فیصلہ کہا جائے تو ضابطہ دیوانی کا ایک اہم اصول ٹوٹ جائے گا کہ عدالت میں مدعا علیہ کو دفاع کا موقع ملنا چاہیے۔

اس اصول کے مطابق' یعنی ریاست کے اداراتی نظام کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہا نے ایک تیسری حدیث کا جائزہ یوں لیا ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: **من قتل قتیلا فلہ سلبہ** "جس نے کسی مقتول کو قتل کیا' اس کا سامان اسی کا ہو گا"۔ آیا یہ حدیث ایک شرعی فتویٰ اور قانون سازی ہے کیونکہ حضور شارع بھی تھے۔ اگر یہ مستقل فتویٰ اور قانون شریعت ہے تو پھر قیامت تک کسی بھی جنگ میں جو سامان جس شخص کے ہاتھ آیا وہ اسی کا ہو گا' یا یہ حضورؐ کا کسی مخصوص جنگ میں ایک انتظامی آرڈر تھا اور اس جنگ یا ان حالات کے ساتھ مخصوص تھا۔ آنے والے زمانوں میں جو شخص منتظم اعلیٰ ہو گا' وہ حالات اور ضروریات کے مطابق حکم دے گا اور فوجیوں کو جو تصرف بھی کرنا ہو گا وہ امام کے حکم کے مطابق کرنا ہو گا۔

حضورؐ کی ذات میں اگرچہ تمام مناصب جمع ہو گئے تھے پھر بھی علما کرام نے آپؐ کے احکام و اقوال کو تین زاویوں سے دیکھا۔ بعد کے زمانوں میں اسلامی نظام میں یہ تین شعبے الگ ہو گئے تھے۔ قانون سازی کا کام صحابہ و مجتہدین کی آرا اور مجلس شوریٰ کے اجتماعی فیصلوں کی صورت میں ہوتا تھا۔ عدالتی امور مقرر کردہ قاضیوں کے اختیار میں تھے اور انتظامی معاملات خلیفہ وقت کے پاس تھے۔ سربراہ مملکت اور خلیفہ بھی قانونی چارہ جوئی سے مستثنیٰ نہ تھے۔

مولانا مودودیؒ نے بھی رسولؐ اللہ کی ان تین جہتوں کا تعین کیا ہے۔ سورہ اعراف آیت ۱۵۷ اور سورہ حشر آیت ۷ کے حوالے سے وہ رسولؐ اللہ کے شارع ہونے کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: "اس آیت کے الفاظ اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کو تشریعی اختیارات (legislative powers) عطا کیے تھے۔ اللہ کی طرف سے تحلیل و تحریم صرف وہی نہیں ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہے' بلکہ جو کچھ نبیؐ نے حرام و حلال قرار دیا ہے اور جس چیز کا حضورؐ نے حکم دیا ہے یا جس سے منع کیا ہے' وہ

بھی اللہ کے دیے ہوئے اختیارات سے ہے۔ اس لیے وہ بھی قانون خداوندی [شریعت] کا ایک حصہ ہے"۔ (اسلامی ریاست، ص ۲۸۰)

حضورؐ کے تصرفات قضا کے بارے میں مولانا مودودیؒ سورہ نساء آیات ۶۱، ۶۵، ۱۰۵، سورہ شوریٰ آیت ۱۵، سورہ نور آیت ۵۱ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"یہ تمام آیتیں اس امر میں صریح ہیں کہ نبیؐ خود ساختہ یا مسلمانوں کے مقرر کیے ہوئے جج نہیں بلکہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے جج تھے، اور آپؐ کی جج ہونے کی حیثیت رسالت کی حیثیت سے الگ نہیں تھی بلکہ رسول ہی کی حیثیت میں آپ جج بھی تھے"۔ (اسلامی ریاست، ص ۲۸۲)

حضورؐ کی سربراہ مملکت کی حیثیت کے بارے میں بھی مولانا مودودیؒ نے کلام کیا ہے۔ سورہ نساء آیت ۵۹، ۶۴، ۸۰ سورہ فتح آیت ۱۰، سورہ محمد آیت ۳۳، سورہ احزاب، آیت ۳۶ کی روشنی میں وہ فرماتے ہیں: "یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ رسول کوئی ایسا حاکم نہیں ہے کہ جو خود اپنی قائم کردہ ریاست کا سربراہ بن بیٹھا ہو، یا جسے لوگوں نے منتخب کر کے سربراہ بنایا ہو بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور کیا ہوا فرماں روا ہے۔ اس کی فرماں روائی منصب رسالت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا رسول ہونا ہی اللہ کی طرف سے اس کا حاکم مطاع ہونا ہے"۔ (اسلامی ریاست، ص ۲۸۳)

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ اللہ کی جانب سے بیک وقت شارع، قاضی اور حاکم تھے اور یہ تمام پہلو حضور اکرمؐ کی نبوت کے مختلف پہلو تھے۔

اوپر علامہ قرافیؒ نے جو تصریحات کی ہیں، وہ اس لحاظ سے نہایت وقیع ہیں کہ ان میں رسول اللہؐ کے بعد کے ادوار کے لیے یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، آپؐ کے شارع ہونے کے پہلو میں پیروی علمائے مجتہدین، راسخون فی العلم اور مفتیان کرام کریں گے، آپؐ کے قضا کے پہلو کی پیروی امت کے قضاۃ کریں گے اور آپؐ کے تصرفات حکمرانی میں آپؐ کی پیروی حکمران کریں گے جبکہ بحیثیت مجموعی آپؐ کی تمام حیثیتیں پوری امت کے لیے قابل اتباع ہیں۔

ترجمان القرآن

امت کے لیے زندگی کا پیغام ہے!

اس پیغام کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کیجیے!!